

کی نظر میں سود پر مبنی ہے تو ایک اسلامی نظام بنیکس کاری قائم کرنا چاہئے جس کی بنیاد سود خواری نہیں، آخرت ہو۔ انہیں زکوٰۃ اور بیت المال دوبارہ قائم کرنے چاہئیں۔ اگر موجودہ تجارتی طریقے مسلمانوں کے نزدیک مذموم ہیں تو انہیں اپنی تجارت امداد باہمی کے اصول پر استوار کر لینی چاہئے۔

اگر موجودہ صنعتی نظام ان کی نظر میں ایک خود غرضانہ ظلم ہے۔ تو انہیں چاہئے قانونِ شریعت کی مطابقت میں ایک جداگانہ صنعتی نظام قائم کر دکھائیں۔ مسلمانوں کے لئے تہذیبِ جدید میں غم ہو جانا خودکشی سے کم نہ ہو گا، کیونکہ اس کے معنی تہذیبِ جدید کے تمام عیوب کو قبول کر لینا ہوں گے ایسا کر لینے کے بعد مسلمان کبھی بھی اس دنیا میں نیکی کے لئے ایک قوت یا سہارا ثابت نہ ہو سکیں گے۔ لیکن ان کے لئے اس تہذیب سے اس کے علوم و فنون اور اس کی کارگزاری سے یکسر بیگانگی بھی خودکشی سے کچھ کم نہ ہوگی۔ مسلمان پدرم سلطان ہو، کے نساؤں اور ترانوں پر زندہ نہیں رہ سکتے۔ ایسا کرنے سے وہ اسلام سے اسی طرح محروم رہ جائیں گے جس طرح ایک غیر اسلامی تہذیب کو کلیتہً اپنا لینے سے عہد حاضر کے مسلمانوں کے لئے تعلیمِ جدید کا اس غرض سے حاصل کرنا کہ وہ عصرِ جدید کے عیب و ثواب سے اچھی طرح آگاہ ہو جائیں، ان کے لئے جہادِ اکبر کا مرتبہ رکھتا ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اچھائی کو پہچانیں اور اپنائیں اور ہر برائی کے استیصال کے لئے کمر بستہ رہیں تاکہ کوئی بہتر چیز اس کی جگہ مناسب وقت پر نافذ کی جا سکے۔ دنیا آج طاقت کے گڑھے پر کھڑی ہے۔ اور مسلمان ہی اسے بچا سکتے ہیں۔ کیونکہ تہذیب کا معیار صرف ان ہی کے پاس ہے اور صرف وہی ایک متبادلِ کامل نظامِ تہذیب قائم کر کے دکھا سکتے ہیں جس کے لئے ان کے پاس خدائی سند موجود ہے۔ اور وہ نظام ایک محیرِ العقول کامیابی کے ساتھ گزشتہ زمانے میں زیرِ عمل رہ چکا ہے۔ اسلامی ہی وہ نظام ہے جو ہر عہد کے تقاضوں سے ہم آہنگ اور مستقبل میں کامرانی کا ضامن ہو سکتا ہے۔

یورپ کے انقلابی نظامات کے متعلق جو زیرِ عمل رہ چکے ہیں، ایسا نہیں کہا جا سکتا۔ وہ تمام نظامات انسانی مسرتوں میں ذرہ برابر اضافہ کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ یہاں یہ امر خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ دوسری اقوام کے خلاف اپنی ملت کی کامرانی و کامیابی کی کوشش بلا لحاظ اس امر کے کہ ہم راہِ صواب پر ہیں یا جادہِ ناصواب پر جہاد نہیں کھلا سکتی۔ جہاد تو حق کی خاطر باطل کے خلاف جہاں کہیں اور جس صورت میں اس کا موقع پیدا ہو ایک جنگ ہے۔ اگر آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جہاد کے اس تخیل کا سراغ تاریخِ اسلام میں نہیں ملتا۔ تو خدا آپ کو راہِ راست نصیب کرے۔ خلفائے نبویؐ اور بنی عباس نے مشرق کی رومن سلطنت سے جو معاملات کئے، ان کا مطالعہ فرمائیے۔ ہسپانیہ کے اموی

غلام مغرب کی مسیحی سلطنت سے جو سلوک روا رکھا اس کا تذکرہ پڑھتے تو آپ پر روشن ہو جائیگا کہ ان کا نصب العین باطل کے غلامت حق کی حمایت کا ہی جذبہ تھا۔ سلطان سلیمان کا خط شاہ فرانس کے نام دیکھتے جو اس وقت لکھا گیا جب وہ ایک قیدی تھا اور اپنی تمام دولت سے بے جا طور پر محروم کر دیا گیا تھا۔ تو آپ کو یہ اصول اور اس کی حمایت میں سعی پیہم کی دشمنانہ مثالیں نظر آئیں گی۔ مسلمان کا منشاء اس دنیا میں اپنی نہیں خدا کی بادشاہت اور شریعت کی فرمانروائی کا استوار کرنا ہے۔ شریعت اسلامیہ کی بناء ایسے قوانین فطرت ہیں جو تمام بنی نوع انسان کے لئے ہیں اور جن کی عالمگیری مسلم ہے۔ کسی ادنیٰ اور پست مقصد کے لئے ان کا استعمال ان کی غلط توجیہ ہی نہیں ہلاکت اور نامرادی کا راستہ ہے۔ بنی نوع انسان کی بہتری و برتری کے وسیع تر منشا کی عدم موجودگی میں کوئی سعی جہاد کے مرتبہ رفیع کو پہنچنے کی حقدار نہیں۔

مسلمان کی تقدیر پرستی جس کے متعلق اس قدر ہنگامہ بپا کیا جاتا ہے۔ ایک ایسی ناگزیر حالت یا کیفیت ہے جس کا اعتراف خواہی خواہی کرنا ہی پڑتا ہے۔ ہمیں پوری خندہ پیشانی سے اس امر کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ ہماری موجودہ حالت منشاء ربانی کے ماتحت ہم پر مسلط کر دی گئی ہے۔ لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ مسلمان کا جہاد ہمیشہ کی طرح اب بھی بدی کے خلاف نیکی کے لئے ایک جدوجہد کی صورت میں جاری رہنا چاہئے۔ ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ پہلے تو ہم اسلامی برادری کی بنیادیں عہدِ حاضر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے نئے سرے سے استوار کریں۔ اس کے بعد مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ اپنے نیک اعمال سے دنیا کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ساکنت کا احساس بیدار کریں۔ ■

حضرت عثمان غنیؓ

● جنت کے اندر رونا عجیب ہے اور دنیا کے اندر ہنسنا عجیب تر ہے۔

● علم بغیر عمل کے نفع دیتا ہے اور عمل بغیر علم کے فائدہ نہیں بخشتا۔

● دنیا کے فانی کی لذتیں لینے سے عالم باقی کے اجر و ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔

● سوار کا زخم جسم پر ہوتا ہے اور بری گفتار کا روج پر۔

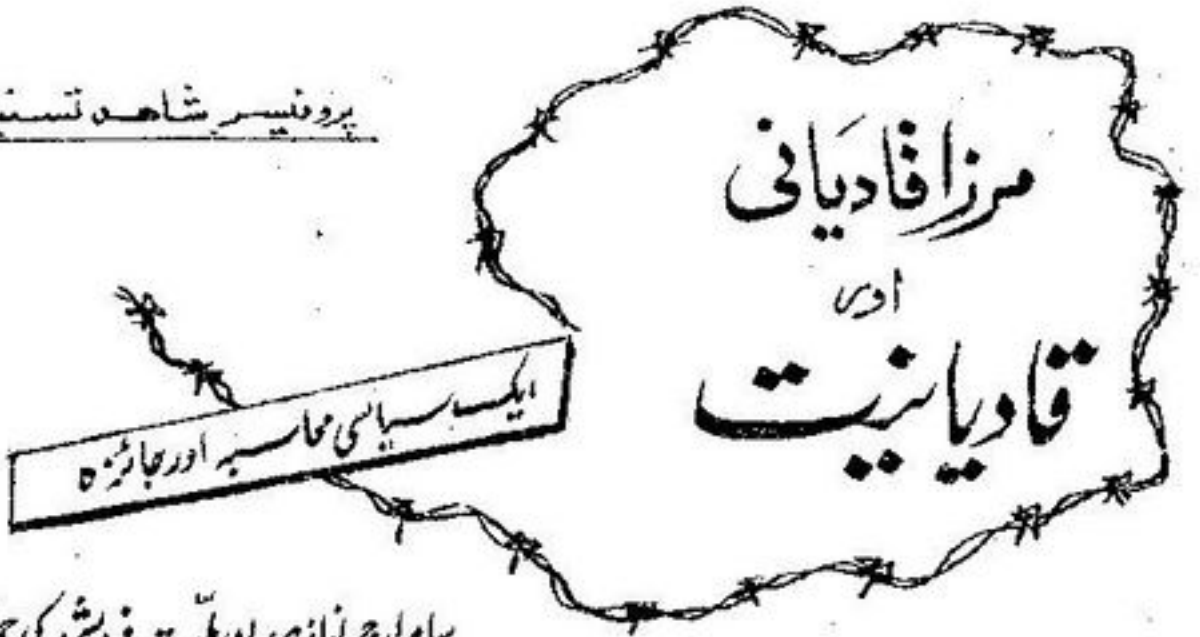
● قضا پر رضا دنیا کی جنت ہے۔

● نعمت کا بے مناسب جگہ خرچ کیا جانا ناشکری ہے۔

● حقیر سے حقیر پیشہ اختیار کرنا احمق پھیلانے سے بہتر ہے۔

● گناہ کسی نہ کسی صورت سے دل کو بے قرار رکھتا ہے۔

پروفیسر شاہد تسنیم ایم اے



سامراج نوازی اور ملت فردشی کی جھلکیاں

اٹھارویں صدی عیسوی کے اختتام پر یورپی سامراج دنیا کے بیشتر حصوں پر اپنے نوآبادیاتی عزائم کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ اس سامراجی طاقتوں میں برطانیہ پیش پیش تھا۔ اطالوی، فرانسیسی، اور پرتگالی براعظم افریقہ کو اطالوی سوماتالی لینڈ، فرانسیسی سوماتالی لینڈ، پرتگالی مشرقی افریقہ، جرمنی مشرقی افریقہ اور برطانوی مشرقی افریقہ میں منقسم کرنے کے بعد مشرق وسطیٰ کے بعض علاقوں میں سامراجی ریشہ و دانیوں میں معروف تھے۔ اٹلی نے اریٹریا، فرانس نے جزیرہ بڈگا سکے اور برطانیہ نے ریوڈیشیا اور یوگنڈا کو نوآبادیوں میں تقسیم کر دیا۔ نام نہاد خود مختار علاقوں میں یومین آف ساؤتھ افریقہ کے علاوہ مصر، حبشہ اور لائبیریا کا شمار ہوتا تھا۔ یورپی سامراج نے اس زمانے میں ہندوستان، برما اور لنکا کو زیر نگین لانے کے لئے کشمکش کا آغاز کر دیا تھا۔ اور بحر ہند کو اپنی استعماری سرگرمیوں کی آماجگاہ بنالیا۔ مشرقی مسائل پہ لاطینی ریاستوں میں سنگاپور ایک اہم بحری اڈہ تھا جس کو بنیاد بنا کر بحر ہند، بحر الکاہل، شرق الہند، انڈین اور جنوبی آسٹریلیا کو جدا جدا کیا جاسکتا تھا۔ استعماری طاقتوں کو اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل میں اس وقت زیادہ آسانی ہو گئی جب ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کی تعمیر کا مرحلہ اختتام پذیر ہوا۔ اس کی وجہ سے راس امید کا لمبا چکر لگانے کی بجائے بحیرہ قزقم اور بحیرہ احمر کا آسان راستہ اختیار کیا جانے لگا۔ ۱۸۷۵ء تک برطانیہ جبرالٹر اور مالٹا کو زیر اثر لاکر قبرص پر تسلط جمایا تھا۔ عدل ۱۸۳۹ء میں محکوم بنایا جا چکا تھا۔ اب پورے جنوب مغربی ایشیا پر قبضہ کرنا باقی تھا۔

اٹھارویں صدی کے آغاز ہی سے یورپی استعمار کا مقابلہ کرنے کے لئے مختلف اسلامی ممالک میں تجدید و احیاء دین کی تحریکیں اٹھیں جن کی بازگشت بیسویں صدی کے اوائل تک سانی دیتی رہی۔

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ مکتب فکر کی تحریک نے مسلمانوں کو جگاسنے اور ان کے اندر ولولہ نو پیدا کرنے میں موثر کردار ادا کیا۔ اس تحریک کی بازگشت سید احمد بریلوی اور شاہ محمد اسماعیلؒ کی سکھ چہرہ دستیوں کے خلاف اعلان جہاد تھا۔ اس تحریک کے اثرات ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کئی سال تک محسوس کئے جاتے رہے۔ الجوار میں امیر عبدالقادر (۱۸۸۰ء) اور روس کے علاقہ داغستان میں شیخ محمد شامل (۱۸۷۰ء) بڑی پامردی اور جانفشانی سے فرانسیسی اور روسی استعمار کو لاکار رہے تھے۔

ہندوستان میں برطانوی سامراج نے قدم جمائے اور ان خاندانوں کو نوازنا جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں غداری کی تھی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے والد مرزا غلام مرتضیٰ اور ان کے بھائی غلام قادر نے برطانوی سامراج کی پوری پوری خدمت کی۔ سر لیبل گرنٹ نے غداروں کے کارناموں کی دستاویز پنجاہ سچیں میں لکھا ہے کہ یہ خاندان خاص طور پر مرزا غلام مرتضیٰ انگریز کا وفادار اور نیک حلال تھا۔ مرزا غلام احمد اس خاندان کے چشم و چراغ تھے جنہیں اپنی غداری اور ملت فروشی پر فخر تھا۔ ۱۸۶۴ء میں مرزا غلام احمد سیالکوٹ کچہری میں ملازم تھے۔ غداری کے امتحان میں نفل ہوئے۔ بعد تصنیف وتالیف اور مذہبیات کے مطالعہ میں مصروف ہوئے۔ مارچ ۱۸۸۲ء میں اصلاح خلق کے لئے مامور ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور چھ سال بعد دسمبر ۱۸۸۶ء میں لدھیانہ میں بیعت لینے لگے۔ اوائل میں مجدد بنے۔ ۱۸۹۱ء میں مثیل مسیح اور مسیح موجود اور ۱۹۰۱ء میں بنی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔ ۱۹۰۴ء میں کرشن اوتار اور تمام مذاہب کے آئے والے (۱) ہونے کا اعلان کیا۔ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو (۲) سدا گئے۔

۱۸۸۲ء سے ۱۹۰۸ء تک مرزا نے کئی روپ دھارے، ابتداء میں آپ نے آریہ سماجی برہمن سماجی اور دیوسماجی رہنماؤں کے ساتھ اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے مناظرے کئے جسے مسلمانوں نے پسندیدہ نگاہ سے دیکھا۔ سب سے پہلا اشتہار ۲ مارچ ۱۸۷۰ء کو باواثرائن سنگھ آریہ سماج امرتسر کو ارواح کے بے انت ہونے کے مسئلہ پر دیا۔ اس کے بعد پنڈت دیونند سرموتی، پنڈت کھڑک سنگھ اور برہمن سماجی، پنڈت شیو نارائن اگنی برتری کے نام مناظرے کے چیلنج دئے۔ اور ۱۸۸۰ء میں ایک کتاب براہمن احمدیہ حصہ اول طبع کرانی۔ اس کتاب کی طباعت کے لئے آپ نے اشتہار دیئے اور صاحب ثروت لوگوں سے چندے اور پیشگی رقومات حاصل کیں۔ اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد ایک توائیندہ کے لئے تصنیف وتالیف کی راہ کھل